© rasailojaraid.com

عربی تنقید نگاری، تاریخ، اصول و مسائل

(۷)

جناب محمد سمیع اختر فلاحی، ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

قصیدے کی وحدانیت :

قصیدے کی وحدت کا موضوع بھی عربی تنقید نگاروں کے سامنے ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔ اکثر ناقدوں کا خیال ہے کہ ایک قصیدے میں بیان ہونے والے مختلف اجزاء باہم دیگر مربوط ہوں، اس کے مضامین میں اتحاد ہو۔ ابن رشیق کا خیال یہ ہے کہ قصیدہ ایک انسانی جسم کی طرح ہے جیسا کہ ایک انسانی جسم کے اعضاء ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں بالکل اسی طرح قصیدے کے تمام اجزاء کو ایک دوسرے سے مربوط ہونا چاہیے۔ جسطرح کسی عضو کے خراب ہونے سے پورے جسم کا حسن ختم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح قصیدے کے کسی جز کی نامناسبت سے اس کی رونق ختم ہوجاتی ہے۔ اس حقیقت سے اکثر شعراء واقف ہیں یہی سبب ہے کہ وہ اپنے قصائد کو اس طرح کی غلطیوں سے بچانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ (۸۱) جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جاہلی قصیدے کے اندر مختلف موضوعات سے متعلق اشعار ملتے ہیں۔ شاعر تشبیب اور وقوف اطلال سے قصیدے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا آغاز کرتا ہے۔ درمیان میں شکاریات، اسفار کی پریشانیوں، شہسواری گھوڑے یا اونٹ کا وصف بیان کرتا ہے۔ پھر کسی کے مدح، ہجو، یا کارنامے کی تعریف کرتا ہے۔ اس طرح ان کے قصائد مختلف موضوعات کو محیط ہوتے تھے۔ چنانچہ ناقدوں نے ان مختلف مضامین کے اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ابن قتیبہ کہتا ہے۔ کہ شاعر شروع میں نسیب و تشبیب سے متعلق اور پھر اسفار و شکاریات سے متعلق اشعار اس لیے لاتا ہے تاکہ سامع کے ذہن کو اصلی مقصد کے لئے تیار کیا جا سکے۔ اس طرح وحدت شعر کا مسئلہ بھی ان کے درمیان بحث کا موضوع بنا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شعر ایسا ہو جو اپنے معنی کی وضاحت کے لئے دوسرے شعر کا محتاج نہ ہو جبکہ بعض دوسرے لوگوں کی رائے اس کے برعکس ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شعر اپنے معنیٰ کی وضاحت کے لئے دوسرے شعر کا محتاج ہونا چاہیئے۔

سرقات و توارد :۔

سرقات و توارد کا مسئلہ نہ صرف عربی تنقید نگاری بلکہ عالمی تنقید کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ دو شاعروں یا تخلیق نگاروں کے ادبی تخلیقات میں جو مشابہت پائی جاتی ہے دراصل یہی مسئلہ سرقات کی جڑ ہے۔ یونانی اور رومی ناقدوں نے بھی اس مسئلے پر بحث کی ہے۔ گوئٹے اور شکسپیر جیسے عظیم فنکار بھی اس الزام کی زد سے نہ بچ سکے۔ عربی تنقید میں بھی اس مسئلے پر مختلف زمانوں میں بہت کچھ لکھا گیا۔ اور صحیح طور پر عربی تنقید میں یہ مسئلہ ابو تمام کے زمانے سے شروع ہوا۔ اس دور میں جہاں علم کلام، منطق و فلسفہ کی بحثیں چھڑ گئیں وہیں اس دور کے شعراء، ادباء، قدیم و جدید کے درمیان موازنہ کرنا شروع کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب مقابلے و موازنے کی فضا نے شدت اختیار کی تو اس دور کے چند بڑے شعراء ابو تمام، بحتری، اور متنبی کے متعلق اصحاب ذوق و نقد کے درمیان اس امر میں اختلاف ہو گیا کہ ان کے درمیان بڑا شاعر کون ہے۔ ابو تمام اور متنبی کے متعلق ناقدین ادب کے مابین اختلاف ہو گیا۔ دونوں عظیم شعراء کی تائید و مخالفت میں کتابیں لکھی گئیں۔ دونوں کے محاسن و عیوب کی نشاندہی کی گئی۔ مقابلے و موازنے کی اس فضا نے سرقات کے مسئلے کو سب سے زیادہ ہوا دی۔ چنانچہ کسی متاخر شاعر کا کلام متقدم شاعر کے کلام سے ذرا بھی مشابہت رکھتا تو اس شاعر پر سرقہ کا الزام لگ جاتا۔ دونوں کے اشعار کو ایک دوسرے سے ماخوذ بتایا گیا۔ اسی طرح متنبی کے معانی و مضامین کو بیشتر حصے کو صاحب بن عباد اور محمد بن احمد عبیدی نے مسروق بتایا ہے۔ اس نے متنبی کے سرقات سے متعلق ایک کتاب "الابانہ عن سرقات المتنبی لفظاً و معنیً" لکھی۔ عبیدی نے اس رسالے میں متنبی کے سرقات کو بیان کیا ہے اور ان مقامات کی نشاندہی کی ہے جہاں متنبی نے اپنے اشعار میں ابو تمام، ابن رومی، بشار، ابو العتاہیہ، اور دوسرے شعراء کے افکار سے مدد لی ہے۔ اس کے بعد سرقات کے موضوع قاضی جرجانی نے ایک اہم کتاب "الوساطۃ بین المتنبی و خصومہ" تالیف کی۔ ان کا کہنا ہے کہ سرقہ و انتحال کا مرض قدیم ہے۔ شاعروں نے ہمیشہ ایک دوسرے کے افکار و معانی سے مدد حاصل کی ہے۔ اس کے بعد سرقات کی قسموں سے بحث کیا گیا۔ اور مختلف ناقدوں نے اس کے بارے میں الگ الگ خیالات کا اظہار کیا۔ جاحظ نے بھی ادبی سرقات کے مسئلے پر تحقیق بحث کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سرقہ معانی کے اندر تو ممکن ہے لیکن الفاظ کے اندر نہیں۔ معانی میں تو سب مشترک ہوتے ہیں۔ اصل اختلاف تو الفاظ و اندازِ بیان میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور ان کی چوری میں اصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوری ہے ورنہ معانی کے بارے میں تو یہ دعویٰ کرنا مشکل ہے کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے۔ (۸۲)

انتساب وانتحال :-

انتساب وانتحال کا شمار نقد ادبی کے اہم مسائل میں ہوتا ہے۔ یعنی ادبی تخلیقات کی نسبت کسی شاعر یا مصنف کی طرف غلط طور پر کر دی جائے۔ عالمی ادبیات کی تاریخ میں اس طرح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں عربی تنقید میں اشعار کی روایت کے اندر کذب وانتحال کا مسئلہ ہمیشہ موضوع بحث رہا ہے۔ غلط انتساب وانتحال کی وجہ جو بھی رہی ہو یہ حقیقت ہے کہ بہت سارے اشعار، حکایات اور واقعات کو متاخرین نے گڑھ کر متقدمین کی طرف منسوب کر دیے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر طہٰ حسین نے "فی الادب الجاہلی" میں عہد جاہلیت کے شعری سرمائے کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ ابن سلام نے لکھا ہے کہ "جب عربوں کے درمیان اسلام پھیلا اور ان کے اندر تہذیبی شعور پیدا ہوا تو انہوں نے اپنے اپنے خاندانی مفاخر تلاش کئے مگر بعضوں کو کچھ بھی نہ ملا تو انہوں نے اپنے قبائلی مفاخر سے متعلق اشعار گڑھ کر جاہلی شعراء کی طرف منسوب کر دئے،" (۸۳) جہاں خاندانی شرف ومنزلت کی خاطر اشعار وضع کئے گئے وہیں سیاسی اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے بھی اس حربہ کو اختیار کیا گیا۔ چنانچہ جب شعوبی تحریک شروع ہوئی تو اس کے مخالفین وموافقین نے اپنے مناقب ومفاخر اور مد مقابل کی عیب جوئی کی خاطر بڑے پیمانے پر اشعار وضع کئے۔ چنانچہ شعوبی شعراء نے ایسے اشعار وضع کئے جن سے عربوں کے عیوب وخامیوں پر روشنی پڑتی تھی ان کے بالمقابل عربوں نے بھی ایسے اشعار وضع کئے جو عربوں کی مجد وشرافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بدویوں کے فضائل و مناقب پر مشتمل تھے۔ اور شعوبیوں کے اخلاقی عیوب اور زبان و بیان کی کمزوریوں کی طرف اشارہ تھا، چنانچہ عربی تنقید میں ایسے جھوٹے شعرا اور منحول اشعار کی تحقیق کی گئی اور مختلف سماجی، اجتماعی و معاشرتی پہلوؤں کو نظر میں رکھتے ہوئے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی گئی۔ عربی تنقید کی کتابوں میں ایسے رواۃ کے متعلق پوری تفصیل موجود ہے جنہوں نے خود اشعار کہے ہیں اور قدما کی طرف ان کی نسبت کر دی ہے۔ کتاب الاغانی میں مفضل ضبی سے منقول ہے۔ حماد نے شعر کو اس طرح خراب کیا کہ کوئی دوسرا اصلاح نہیں کر سکتا۔ حماد ایسا آدمی تھا جو لغاتِ عرب، اشعار اور شعر و شاعری سے پوری واقفیت رکھتا تھا۔ ہر شاعر کے طرز میں شاعری کر لیتا اور اپنے شعر کو اس شاعر کے شعر کے ساتھ خلط ملط کر دیتا تھا۔ اس طرح یہ اشعار اس کی زبان اور زدر بازو کے ذریعہ پوری دنیا میں پھیل گئے اور متقدم شاعر کے اشعار کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ ایک دانشمند سخن شناس کے سوائے ان وضعی اشعار کو اصل اشعار سے کوئی دوسرا ممیز نہیں کر سکتا مگر اس طرح کے سخن شناس بہت کم ہیں۔ (۸۴)

ادب۔ فن اور اخلاق کے درمیان:۔

فن اور اخلاق کے درمیان باہمی تعلق بھی ادبی نقد کا اہم موضوع رہا ہے۔ مختلف ناقدوں نے اس موضوع پر الگ الگ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلے میں دو گروہ پائے جاتے ہیں ایک طبقے کا خیال ہے کہ دین و فن دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ اصمعی کے نزدیک مذہب و شاعری کے حدود الگ الگ ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عربی شعر و شاعری میں جب اخلاقی و مذہبی موضوعات داخل ہوتے تو اس کا جوش ماند پڑ گیا اور اس کی تیزی ختم ہو گئی۔ چنانچہ وہ شاعری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو مذہب و اخلاقیات سے الگ رکھنے کا مشورہ دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شاعر دین و اخلاقی اصولوں کی پابندی کرتا ہے تو وہ اسکی افضلیت کا قائل ہے وہ کہتا ہے سید حمیدی ایک بڑا شاعر تھا اگر وہ بے دین نہ ہوتا تو اس سے بڑا شاعر اللہ کے طبقہ میں کوئی اور نہ تھا۔ (۸۵) ایک دوسرا طبقہ ایسا ہے جو اخلاقی قدروں اور مذہبی اصولوں کو شاعرانہ عظمت کی دلیل تصور کرتا ہے مگر ان کی تعداد بہت کم ہے ابو تمام پر تنقید کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ وہ دین کے معاملے میں کوتاہ تھا، نماز کی پابندی نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح متنبی کی ذات کو بھی بعض لوگوں نے اس وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا ہے کیونکہ اس نے بعض اشعار میں مذہبی امور کا مذاق اڑایا ہے۔ باقلانی، ابن شرف اور ابن بسام وغیرہ نے اخلاق کو معیار بنایا ہے۔ یہ لوگ اخلاقی اصولوں کو اشعار کی فنی قدر و قیمت متعین کرتے میں معیار تسلیم کرتے ہیں۔ باقلانی نے امرؤالقیس کے قصیدے کا اخلاقی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا ہے (۸۶) صولی نے ابو تمام پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ دین و مذہب کی بنیاد پر کسی شاعر کو کمتر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قدامہ بن جعفر نے لکھا ہے کہ فحش اشعار سے شاعری کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور امرؤالقیس کے چند فحش اشعار نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ یہ اشعار اخلاقی نقطۂ نظر سے تو بہت گرے ہوئے ہیں مگر فنی نقطۂ نظر سے بہت اعلیٰ ہیں۔ (۸۷) قاضی جرجانی کا بھی یہی خیال ہے کہ دین اور فن دونوں کا دائرہ الگ ہے اگر اشعار میں دین سے انحراف عیب ہے تو پھر بے شمار بڑے شاعروں کا نام شعراء کی فہرست سے خارج کر دینا پڑے گا۔ جاہلی شعراء کا کلام کسی درجے میں نہ آئے گا۔ کیونکہ وہ سب کے سب بت پرست تھے۔ ابو نواس کی بھی کوئی وقعت نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنے اشعار میں دینی شعائر کا کھلے عام مذاق اڑاتا ہے (۸۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدق وکذب کا مسئلہ:

عربی تنقید میں صدق وکذب کا مسئلہ بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ایک نظریہ تو یہ ہے کہ "خیر الشعر اصدقہ" بہترین شعر وہ ہے جو بہت زیادہ سچائی کا حامل ہے۔ دوسرا نظریہ "احسن الشعر اکذبہ" بہترین شعر وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ کذب پر مشتمل ہو۔ عرب ناقدوں میں شاید ابن رشیق ہی ایسا ناقد ہے۔ جو شاعری میں کذب گوئی اور مبالغے کا مخالف ہے باقی دوسرے ناقدوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شاعری میں کذب کا استعمال درست ہے۔ قدامہ بن جعفر نے کہا ہے کہ شاعر سے اس بات کی توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ جو کچھ کہے گا سچ ہی کہے گا۔ اس کی صداقت یہی ہے کہ وہ جس بات کو جس وقت بھی کہہ رہا ہے اس میں اس کو پوری فنی عظمت سے پیش کر دے۔ (۸۹) ابن طباطبا اور دوسرے ناقدوں نے صداقت و راست گوئی کو لازم قرار دیا ہے اور کذب گوئی کی نفی کی ہے۔ اس نے جذبات، خیالات، تشبیہات ہر چیز میں صداقت کے عنصر کو شامل کیا ہے صداقت کو پرکھنے کے لئے احساس تناسب کو بنیاد بنایا ہے۔ اور تناسب اس ذہنی عمل کا نام ہے جو کسی چیز کو قبول کرنے یا رد کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے اور احساس کبھی کذب وافترا پر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ (۸۲)

روایت شعر:

عرب ناقدوں نے اشعار کی عمدگی و روایت کی طرف غیر معمولی توجہ دی۔ نراسب گھٹیا اور غیر معیاری قسم کے اشعار کہنے کو تقریباً ہر ناقد نے ناپسند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہے۔ راغب اصفہانی کا مشہور قول ہے کہ غیر معیاری شعر کہنے سے کہیں بہتر ہے کہ شعر نہ کہا جائے۔ ابو زید نحوی کے سامنے کسی شخص نے گھٹیا قسم کے اشعار پڑھے تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ اسی طرح کے اشعار کہتے ہیں تو میرا مشورہ ہے کہ اب نہ کہیں (۹۰) اسحاق موصلی نے ابو عبیدہ کے سامنے کسی قدیم شاعر کے چند شعر پڑھے۔ ابو عبیدہ نے پوچھا۔ کیا ان اشعار میں کوئی ندرت یا اچھے معانی ہیں؛ موصلی نے جواب دیا! نہیں: تو ابو عبیدہ نے کہا: کس نے تم کو لدو جانور بنا دیا ہے جو بے کار چیز اپنے اوپر لادے ہوتے پھرتے ہو (۹۱) ابن سناور کے سامنے ایک صاحب نے ایک قصیدہ پڑھا تو وہ استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھنے لگے اور کہا کہ ان اشعار کو اپنے شیطان کو واپس کر دو کیونکہ بلا وجہ احسان مند بنتے ہو (۹۲) خلف احمر کے پاس کوئی شخص آیا اور یہ بتایا کہ میں نے کچھ اشعار کہے ہیں اور آپ کو سنانا چاہتا ہوں تاکہ آپ اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ خلف احمر نے کہا: اچھا سناؤ! اس آدمی نے دو اشعار سنائے۔ خلف نے کہا مجھ کو چھوڑ دو اور دو بکری سے بچو اگر یہ شعر پا جائے گی تو اپنی مینگنی بنا لے گی (۹۳) اصمعی کے سامنے بغداد میں کسی نے بودا شعر پیش کیا تو اصمعی رونے لگا۔ لوگوں نے گریہ کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا مسافرت میں آدمی کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ اگر میں شہر بصرہ میں ہوتا تو اس کندہ ناتراش کی ہرگز جرأت نہ ہوتی کہ ایسا بودا شعر میرے سامنے پیش کرے اور میں خاموش رہوں (۹۴) اس طرح تاریخ و ادب کی کتابوں میں بیشتر واقعات ایسے ہیں جو عرب ناقدوں کے اعلیٰ ذوق کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وہ اشعار کی صحت و رداءت کے معاملے میں بہت حساس تھے۔

© rasailojaraid.com

اس طرح عرب ناقدوں نے مختلف اصناف سخن (مدح، ہجو، وصف، مرثیہ) کو بھی اپنی تنقید کا موضوع بنایا۔ انھوں نے ان صفات اور خوبیوں کی تفصیل سے بحث کی جن کا مدحیہ قصائد میں ذکر مناسب ہے اور ان اشیاء کی نشاندہی بھی کی جن کا ذکر مناسب نہیں ہے۔ بعض ناقدوں نے انسانوں کی اندرونی خوبیوں (عقل، فہم، شجاعت، عفت، صبر و قناعت وغیرہ) کو انسانی فضیلت کا معیار تصور کیا ہے جب کہ دوسرے ناقدوں نے انسان کے ظاہری صفات چہرے کے حسن و جمال اور جسمانی بناوٹ اور ساخت کو بھی انسانی خوبیوں میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح ہجو گوئی، وصف نگاری اور مرثیہ گوئی کے حدود بھی متعین کیے گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے ہجویہ کلام میں انسان کے جسمانی عیوب کو بیان کرنا جائز قرار دیا ہے جب کہ کچھ دوسرے لوگوں نے جسمانی عیوب کے بجائے اخلاقی عیوب کو بیان کرنا زیادہ بہتر تصور کیا ہے۔

ادبی تنقید کے اصول:-

ادبی تنقید کے اہم مسائل پر گفتگو کرنے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تنقید کے معیار اور اس کے اصولوں پر بھی ہلکی سی روشنی ڈالی جائے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ناقد کا کام صرف یہی نہیں کہ وہ عام قاری اور ادبی تخلیقات کے درمیان واسطے کا کام انجام دے بلکہ ان کے اندر پوشیدہ محاسن و معائب کی طرف عام لوگوں کی توجہ مبذول کرانا بھی اس کی ذمہ داری میں داخل ہے۔ تنقید دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتی ہے۔ تنقید تفسیر، تشریح، وضاحت، اور تجزیہ کا دوسرا نام ہے۔ ایک ناقد کے لئے ادبی آثار میں رائے دینا یا فیصلہ صادر کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں

متعینہ اصول و قواعد کے بغیر یہ کام ناممکن و دشوار ہے۔ لہٰذا ضروری ہے
ناقد اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآں ہونے کے لئے کچھ اصول و ضوابط کی
پابندی کرے۔ ناقد کے لئے ضروری ہے کہ وہ تینوں اہم علوم یعنی علم
معانی، بدیع اور بیان سے پوری طرح واقف ہو۔ اس کے بعد علم العروض
اور علم القواعد کا بھی علم رکھتا ہو۔ مختصر یہ کہ ایک شاعر یا ادیب کو فن
تخلیق کے سلسلے میں زبان و بیان سے متعلق جن اصول و قوانین کی ضرورت
ہوتی ہے ایک ناقد کے لئے بھی ان سے واقفیت ضروری ہے۔ ایک ادیب یا فنکار
ذہنی کیفیات اور قلبی واردات سے دوچار ہوتا ہے، اس کے دل و دماغ میں
احساسات و خیالات جنم لیتے ہیں ان کی حیثیت روحانی اور باطنی ہوتی ہے۔
الفاظ کا ذخیرہ ان کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر فنکار الفاظ کو صرف
ان کے وضعی اور حقیقی معنیٰ میں استعمال کرے تو وہ اپنے لطیف احساسات کی کما حقہٗ
ترجمانی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا وہ مجبور ہوتا ہے کہ الفاظ کے اس محدود ذخیرے سے
ہر طرح کا کام لے، علم البیان اور بدیع الفاظ کے اسی گوناگوں استعمال کی
تشریح و توضیح کا نام ہے۔

علم المعانی :-

علم المعانی اس علم کو کہتے ہیں جس کی مدد سے ادیب الفاظ کو اسی مفہوم یا معنیٰ
میں استعمال کرتا ہے جن کی خاطر انہیں وضع کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق الفاظ کے صحیح
انتخاب اور ترکیبوں کے موزوں استعمال سے ہے۔ یوں تو علم معانی میں بہت سارے
مسائل سے بحث کی جاتی ہے لیکن اہم ترین مباحث میں مترادفات، فصاحت، بلاغت
ایجاز، مساوات، اطناب اور حذف وغیرہ ہیں۔ ہر زبان میں مترادفات موجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے ہی میں فن کے درمیان ایک فرق موجود ہوتا ہے۔ جہاں ادیب کے لئے ضروری
ہے کہ وہ ان کے درمیان موہوم فرق لطیف کا لحاظ رکھے وہیں۔ ناقد کے لئے بھی
باریکیوں تک رسائی ضروری ہے۔ ایجاز بھی عالمی ادب تک اہمیت کا حامل ہے۔
بات کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے عام طور پر تین ذرائع اختیار کئے جاتے
۔ اطناب، مساوات، ایجاز۔ اطناب یہ ہے کہ مقصود و مدعا کے اظہار کے لئے
الفاظ استعمال کئے گئے ہوں مگر کوئی لفظ بھرتی یا زیادتی کا نہ ہو بلکہ ہر لفظ
معنی کی وضاحت میں مدد کرے اس طرح اطناب تطویل سے مختلف چیز ہے۔ مساوات
اظہار مدعا کے اس طریقہ کو کہتے ہیں جس میں الفاظ و معانی یکساں طور پر استعمال
کئے گئے ہوں یعنی دونوں کا توازن برابر ہو اور ایجاز یہ ہے کہ کم سے کم الفاظ میں
زیادہ سے زیادہ معانی اس طور پیدا کر دئے جائیں کہ کسی ابہام یا خفا کا شائبہ
ہو۔ فصاحت کا تعلق کلام کی ظاہری شکل و ہیئت اور الفاظ کے مواقع
استعمال سے ہے۔ فصیح کلمہ وہ ہے جو غرابت و ثقالت سے پاک ہو۔ اور فصیح
کے لیے ضروری ہے کہ وہ تنافر کلمات (قریب المخرج الفاظ کا بکثرت استعمال)
ضعف تالیف، تعقید معنوی، تکرار الفاظ، توالی اضافت۔ زبان و بیان کے اصول
کی مخالفت اور ہر طرح کی نحوی و صرفی کمزوریوں سے پاک ہو۔ گویا فصاحت زبان
و بیان کے اصولوں کی حفاظت اور نحو و صرف کے قوانین کی رعایت کا نام ہے۔
اس کے برخلاف بلاغت منتخب الفاظ میں بلند معانی کو موزوں ترکیبوں کے
ذریعہ موثر طور پر ادا کر دینے کا نام ہے۔ اس طرح بلاغت کلام کے اندرونی اور
معنی خوبیوں سے بحث کرتا ہے۔ بلاغت کے اندر الفاظ اور ترکیبوں کے انتخاب
موقع ہونا، مخاطب کی نفسیاتی کیفیت اور موضوع کی حیثیت کا پورا لحاظ
کیا جاتا ہے۔ نثر ہو یا نظم ناقد کا پہلا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات پر غور کرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ادیب یا شاعر نے اظہار ما فی الضمیر کے لئے کون سے راستے اختیار کئے ہیں اس کا کلام فصاحت و بلاغت کے مطلوبہ معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں یا فنکار قاری تک احساسات منتقل کرنے کے لئے کن مرحلوں سے گزرا ہے۔

علم البیان :-

چونکہ ادیب یا شاعر مجبور ہوتا ہے کہ الفاظ کے محدود ذخیرے سے گوناگوں کام لے اس لئے بسا اوقات وہ الفاظ کو ان کے وضعی معنی میں استعمال نہ کرکے مجازی و غیر حقیقی معنی میں استعمال کرتا ہے۔ اور جب الفاظ اپنے حقیقی معنی سے ہٹ کر مجازی معنی میں استعمال ہوتے ہیں تو ان کے استعمال کے موقعوں اور صورتوں سے علم البیان میں بحث کی جاتی ہے۔ بیان کے مباحث میں تشبیہ و استعارہ کا مقام سب سے پہلے آتا ہے۔ تشبیہ کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ قاری کی توجہ کسی معروف چیز کے ذریعہ غیر معروف چیز کی طرف مبذول کرائی جائے۔ جب فنکار یہ دیکھتا ہے کہ ایسے اندرونی جذبات و قلبی واردات کا بیان مقصود ہے۔ جہاں تک سامع کا ذہن آسانی سے نہیں پہنچ سکتا اور اس کے اوپر مطلوبہ کیفیت طاری نہیں ہو سکتی تو وہ تشبیہ و استعارے کا سہارا لیتا ہے۔ وہ مادی اشیاء کے ذریعہ غیر مرئی افکار و خیالات کی تشریح کرتا ہے۔ تشبیہات و استعارات کے صحیح، مناسب استعمال سے جہاں اشعار کے اندر لطافت، جدت اور اچھوتا پن پیدا ہوتا ہے۔ وہیں ان کے غلط اور بے موقع استعمال سے کلام میں غرابت، ابہام اور بھونڈا پن بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایک ناقد کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجاز، تشبیہ، استعارے اور کنائے کی قسموں اور ان کے مواقع استعمال سے بخوبی واقف ہو تاکہ وہ کسی ادبی تخلیق کے بارے میں رائے دیتے وقت عدل کر سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم البدیع :-

علم المعانی اور علم البیان کے بعد علم البدیع کا نمبر آتا ہے۔ جب کلام زبان وبیان کی خامیوں، نحو وصرف کی کمزوریوں سے پاک ہو، تشبیہات واستعارات کا موزوں استعمال ہو تو کلام کے اندر پائے جانے والے محاسن دخوبیوں کی نشاندہی کے لئے علم البدیع کی ضرورت پڑتی ہے۔ چونکہ حسن الفاظ اور معانی دونوں میں ہوسکتا ہے۔ لہذا علم البدیع کو بنیادی طور پر دو قسموں محسناتِ لفظیہ اور محسناتِ معنویہ میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ پھران دونوں کی بہت ساری الگ الگ ذیلی قسمیں بھی ہیں۔ یوں تو ہر فنکار صنعت کا استعمال کرتا ہے مگر عباسی دور کے ادباء وشعراء کے یہاں صنائع وبدائع کا استعمال بکثرت موجود ہے۔ ان کے استعمال میں موقعہ ومحل اور اعتدال وتوازن کو برقرار رکھنا بھی ضروری ہے اور جب تک علم بدیع سے متعلق تمام مسائل پر ناقد کی نظر نہ ہو وہ ادبی تخلیقات کی قدر وقیمت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

ذوق ادبی :-

ڈاکٹر احمد شائب اور دوسرے ناقدوں نے ادبی تخلیقات کو پرکھنے اور ان کی قدر وقیمت کا یقین کرنے میں ادبی ذوق کو غیر معمولی اہمیت دی ہے، ہر فنکار یا ادیب کا ذاتی ذوق اس کے فن میں نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ اور ذوق کی تعمیر میں فنکار کی نفسیاتی کیفیات، اس دور کی سیاسی ومعاشرتی حالات اور دوسرے بہت سارے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایک ناقد کا ذوق اسی صورت میں پختہ ہوسکتا ہے جبکہ وہ ادبی ذوق کی تعریف اس کی قسموں اور اس کی تعمیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وتشکیل میں موثر عوامل سے اچھی طرح واقف ہو۔

ذوق ایک فطری ملکہ ہے جو عقل جذبہ اور احساس تین چیزوں کے باہم امتزاج سے وجود میں آتا ہے۔ اور ان تینوں میں بھی عاطفہ کا اہم مقام ہے، ذوق کسی جامد یا متعین چیز کا نام نہیں بلکہ یہ ایک متحرک چیز ہے اور ہر انسان کا ذوق ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ہر ناقد اپنے انفرادی ذوق کے مطابق ادبی آثار کو پرکھتا اور قدر و قیمت متعین کرتا ہے۔ اگر کسی کے ذوق میں جذبات کا غلبہ ہے تو وہ وسیع علمی مباحث پر ایسے مضامین کو ترجیح دے گا۔ جن کے اندر رقت، نزاکت اور لطافت کا عنصر موجود ہے۔ اسی طرح جس کے ذوق پر عقل کا غلبہ ہوگا تو وہ تخلیقات کے اندر معنوی و فکری گہرائی تلاش کرے گا۔ اور جس کے ذوق پر جمالیاتی حس کا غلبہ ہوگا۔ تو وہ لفظی آرائش و زیبائش اور جملوں کی بناوٹ اور ساخت پر پورا زور صرف کرے گا۔ ہر شخص کا ذوق ادبی تنقید کے لئے معیار نہیں بن سکتا بلکہ اس شخص کا ذوق معتبر ہوگا۔ جس کے اندر فطری طور پر تو ادبی ذوق موجود ہو مگر اس نے کثرت مطالعہ اور پیہم مشق و مارست کے ذریعہ اسے پختہ بنا دیا ہو۔ مختلف زمانوں میں پائے جانے والے ادبا و شعراء کے کلام اور ان کے اندر موجود فنی باریکیوں پر گہری نظر ہو۔ بنیادی طور پر ہم نقد کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ سلبی اور ایجابی یا اسی کو ذوق عام اور ذوق خاص سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ سلبی ذوق تو ہر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے یعنی انسان اشیاء کو دیکھنے کے بعد ان کے اندر پائے جانے والے حسن و جمال یا قبح و خامی کو محسوس تو کر لے مگر اپنے احساسات کے اظہار پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ وہ ادبی تخلیقات سے لذت محسوس تو کرے مگر اسے اپنی ہی ذات تک محدود رکھے۔ اس کے برخلاف ایجابی یا خاص ذوق وہ ہے جس کا حامل شخص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادبی تخلیقات کے اندر پائے جانے والے محاسن و معائب کو محسوس کرے اور پھر وہ ان ادبی آثار سے متعلق اپنے خیالات کو دوسروں تک منتقل کر سکے۔ اور ادبی ذوق کی تعمیر میں ماحول، زمانہ، جنسیت، تعلیم و تربیت اور مزاج کا بہت بڑا دخل ہے۔ ماحول کی تبدیلی، زمانے کے تغیر، جنسیت کے اختلاف اور تعلیم و تربیت سے مختلف ناقدوں کے ذوق میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر نقد و ادب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے ثبوت میں بہت سارے واقعات مل سکتے ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ :

ایک ناقد کے لئے تاریخ ادب کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔ مختلف زبانوں میں پائے جانے والے ادبا و شعراء کے حالات اور اس زمانے کے فنی و ادبی قدروں سے واقفیت ناگزیر ہے۔ کیونکہ اس دور کی روایتوں کو سمجھے بغیر فن کی گہرائیوں تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ مثال کے طور پر اگر ہم بارودی کے اشعار پر تنقید کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہمیں ان کے بچپن کے واقعات، جوانی کے حالات، اور بعد میں رونما ہونے والے حادثات کا مکمل علم ہو۔ اگر ناقد کو ان کی جلاوطنی کی زندگی اور دیار غیر میں ان کی کرب و بے چینی، بے بسی، بے کسمپرسی اور وطن عزیز سے قلبی محبت و لگاؤ کا علم نہ ہو تو وہ ان کے اشعار کے اندر پوشیدہ سوز و گداز تک نہیں پہنچ سکتا، یہی حال تقریباً تمام ادبی تخلیقات کا ہے کہ جب تک فنکار کے خیالات اور زمانے کے حالات کا علم نہ ہو۔ ایک ناقد ان تخلیقات کے بارے میں رائے دیتے وقت پوری طرح انصاف نہیں کر سکتا۔

(جاری)

© rasailojaraid.com